خواجہ حسن نظامی (سیّد علی حسن)

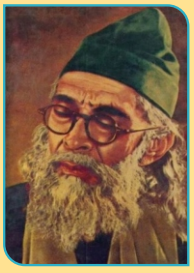

- پیدایش: ۱۸۶۳ء دہلی
- وفات: جولائی ۱۹۵۵ء دہلی
- تصانیف: بیگمات کے آنسو، غدرِ دہلی کے افسانے، سی پارۂ دل

فاقے میں روزہ
(دہلوی تاج دار کے ایک کنبے کا فسانہ)

حاصلاتِ تعلّم

یہ سبق پڑھ کر طلبہ: (ا) ادبی مطالعے کو روزمرہ زندگی سے ہم آہنگ کرسکیں۔ (۲)جماعت کے لیکچروں کو سمجھ کر اُن کے چیدہ چیدہ نکات ڈائری میں نوٹ کرسکیں۔ (۳) اسکول یا اس سے باہر کسی اخبار، رسالے اور ویب سائٹ وغیرہ میں اپنے پسندیدہ اسلوب میں تحریر پیش کرسکیں۔

جب دہلی زندہ تھی اور ہندوستان کا دل کہلانے کا حق رکھتی تھی، لال قلعے پر تیموریوں کا آخری نشان لہرارہا تھا۔ اِنھی دنوں کا ذکر ہے کہ مرزا سلیم بہادر (جو ابو ظفر بہادر شاہ کے بھائی تھے اور غدر سے پہلے ایک اتّفاقی قصور کے سبب قید ہوکر الٰہ آباد چلے گئے تھے) اپنے مردانہ مکان میں بیٹھے ہوئے دوستوں سے بے تکلّفانہ باتیں کررہے تھے کہ اتنے میں زنان خانے سے ایک لونڈی باہر آئی اور ادب سے عرض کیا کہ ”حضور ! بیگم صاحبہ یاد فرماتی ہیں“۔ مرزا سلیم فوراً محل میں چلے گئے اور تھوڑی دیر میں مغموم واپس آئے۔ ایک بے تکلّف ندیم نے عرض کیا: خیر باشد! مزاجِ عالی مُکدّر پاتا ہوں۔ مرزا نے مسکرا کر جواب دیا۔ ”نہیں کچھ نہیں، بعض اوقات امّاں حضرت خواہ مخواہ ناراض ہوجاتی ہیں۔ کل شام کو افطاری کے وقت تنّھن خان گوّیا گا رہا تھا اور میرا دل بہلارہا تھا۔ اس وقت امّاں حضرت قرآن شریف پڑھا کرتی ہیں، ان کو یہ شور و غل ناگوار معلوم ہوا۔ آج ارشاد ہوا ہے کہ رمضان رمضان گانے بجانے کی محفلیں بند کردی جائیں۔ بھلا میں اس تفریحی عادت کو کیوں کر چھوڑ سکتا ہوں۔ ادب کے لحاظ سے قبول تو کرلیا، مگر اس کی پابندی سے جی الجھتا ہے۔ حیران ہوں کہ یہ سولہ دن کیوں کر بسر ہوں گے“۔

مصاحب نے ہاتھ باندھ کر عرض کیا: حضور یہ بھی کوئی پریشان ہونے کی بات ہے ! شام کو افطاری سے پہلے جامع مسجد میں تشریف لے چلا کیجیے، عجب بہار ہوتی ہے۔ رنگ بہ رنگ کے آدمی، طرح طرح کے جمگھٹے دیکھنے میں آئیں گے۔ خدا کے دن ہیں ، خدا والوں کی بہار بھی دیکھیے۔

مرزا نے اس صلاح کو پسند کیا اور دوسرے دن مصاحبوں کو لے کر جامع مسجد پہنچے۔ وہاں جاکر عجب عالَم دیکھا۔ جگہ جگہ لوگ حلقہ بنائے بیٹھے ہیں۔ کہیں قرآن شریف کے دَور ہورہے ہیں۔ رات کے قرآن سنانے والے حُفّاظ ایک دوسرے کو قرآن سنا رہے ہیں۔ کہیں مسائل دین پر گفتگو ہو رہی ہے۔ دو عالم کسی فقہی مسئلے پر بحث کرتے ہیں اور بیسیوں آدمی گِرد میں بیٹھے مزے سے سُن رہے ہیں۔ کسی جگہ توجّہ اور مراقبے کا حلقہ ہے۔ کہیں کوئی صاحب وظائف میں مشغول ہیں۔ الغرض مسجد میں چاروں طرف اللہ والوں کا ہجوم ہے۔

"کُلُّ جدیدٌ لَذِیذُ" مرزا کو یہ نظارہ بہت پسند آیا اور وقت بہت لطف سے کٹ گیا۔ اتنے میں افطار کا وقت قریب آیا۔ سیکڑوں خوان افطاری کے آنے لگے اور لوگوں میں افطاریاں تقسیم ہونے لگیں۔ خاص محل سلطانی سے متعدد خوان مُکَلَّف چیزوں سے آراستہ روزانہ جامع مسجد میں بھیجے جاتے تھے تاکہ روزے داروں میں افطاری تقسیم کی جائے۔ اس کے علاوہ قلعے کی تمام بیگمات اور شہر کے سب اُمَرا علیٰحدہ اِفطاری کے سامان بھیجتے تھے اس لیے اُن خوانوں کی گنتی سیکڑوں تک پہنچ جاتی تھی۔ چوں کہ ہر امیر کوشش کرتا تھا کہ اس کا سامانِ اِفطاری دوسروں سے بڑھ کر رہے، اس لیے ریشمی رنگ بہ رنگ کے خوان پوش اور ان پر مُقَیَّشی جھالریں ایک سے ایک بڑھ چڑھ کر ہوتی تھیں اور مسجد میں ان کی عجب آرایش ہوجاتی تھی۔

مرزا کے دل پر اس دینی چرچے اور شان و شوکت نے بڑا اثر ڈالا اور اب وہ برابر روزانہ مسجد میں آنے لگے۔ گھر میں وہ دیکھتے کہ سیکڑوں فُقَرا کو سحری اور اوّل شب کا کھانا روزانہ شہر کی خانقاہوں اور مسجدوں میں بھجوایا جاتا تھا اور باوجود رات دن کے لَہو ولَعب کے یہ دن اُن کے گھر میں بڑی برکت اور چہل پہل کے معلوم ہوتے تھے۔

مرزا سلیم کے ایک بھانجے مرزا شہ زور نو عمری کے سبب اکثر اپنے ماموں کی صحبت میں بے تکّلف شریک ہوا کرتے تھے۔ ان کا بیان ہے کہ ایک تو وہ وقت تھا جو آج خواب و خیال کی طرح یاد آتا ہے اور ایک وہ وقت آیا کہ دہلی زیر و زبر ہوگئی۔قلعہ برباد کردیا گیا۔ امیروں کو پھانسیاں مل گئیں، ان کے گھر کھد گئے۔ ان کی بیگمات ماما گیری کرنے لگیں اور مسلمانوں کی سب شان و شوکت تاراج ہوگئی۔

مرزا شہ زور کی باتوں میں بڑا درد اور اثر تھا۔ ایک دن میں نے ان سے غدر کا قصّہ اور تباہی کا فسانہ سننا چاہا۔ آنکھوں میں آنسو بھر لائے۔ اس کے بیان کرنے میں عذر و مجبوری ظاہر کرنے لگے۔ لیکن جب میں نے زیادہ اِصرار کیا تو اپنی درد ناک کہانی اس طرح سنائی:

جب انگریزی توپوں نے، کرچوں اور سنگینوں نے،حکیمانہ توڑ جوڑنے، ہمارے ہاتھ سے تلوار چھین لی۔ تاج سر سے اتار لیا۔ تخت پر قبضہ کرلیا۔ شہر میں آتش ناک گولوں کا مینہ برس چکا۔ سات پردوں میں رہنے والیاں بے چادر ہوکر بازار میں اپنے وارثوں کی تڑپتی لاشوں کو دیکھنے نکل آئیں۔ چھوٹے بِن باپ کے بچے ابّا ابّا پُکارتے ہوئے بے یارومددگار پھرنے لگے۔ حضور ظِلِّ سُبحانی، جن پر ہم سب کا سہارا تھا، قلعہ

چھوڑ کر باہر نکل گئے۔ اس وقت میں نے بھی اپنی بوڑھی والدہ، کم سِن بہن اور بیوی کو ساتھ لے کر اور اجڑے قافلے کا سالار بن کر گھر سے کُوچ کیا۔

ہم لوگ دو رتھوں میں سوار تھے۔ سیدھے غازی آباد کا رخ کیا مگر بعد میں معلوم ہوا کہ وہ راستہ انگریزی لشکر کی جولان گاہ بنا ہوا ہے اس لیے شاہ درہ سے واپس ہوکر قطب صاحب چلے اور وہاں پہنچ کر رات کو آرام کیا۔ اس کے بعد صبح آگے روانہ ہوئے۔ چھترپور کے قریب گوجروں نے حملہ کیا اور سب سامان لُوٹ لیا، مگر اتنی مہربانی کی کہ ہم کو زندہ چھوڑ دیا۔ وہ لق و دق جنگل، تین عورتوں کا ساتھ اور عورتیں بھی کیسی، ایک بڑھاپے سے لاچار، دو قدم چلنا دُشوار، دوسری بیمار، تیسری دس برس کی معصوم لڑکی زار و نزار۔ عورتیں روتی تھیں اور بیان کر کرکے روتی تھیں۔ میرا کلیجا ان کے بیان سے پھٹا جاتا تھا۔ والدہ کہتی تھیں الٰہی ہم کہاں جائیں، کس کا سہارا ڈھونڈیں، ہمارا تاج و تخت لٹ گیا، تُو ٹوٹا بوریا اور امن کی جگہ تو دے، اس بیمار کو، کہاں لے کر بیٹھوں، اس معصوم بچی کو کس کے حوالے کروں، جنگل کے درخت بھی ہمارے دشمن ہیں، کہیں سایہ نظر نہیں آتا۔ بہن کی یہ کیفیت تھی کہ وہ سہمی ہوئی کھڑی تھی اور ہم سب کا مُنھ دیکھتی تھی۔ مجھ کو اس کی معصومانہ بے کسی پر بڑا ترس آتا تھا۔ آخر مجبوراً میں نے عورتوں کو دلاسا دیا اور آگے چلنے کی ہمت بندھائی۔ گاؤں سامنے نظر آتا تھا۔ غریب عورتوں نے چلنا شروع کیا۔ والدہ صاحبہ قدم قدم پر ٹھوکریں کھاتی تھیں اور سر پکڑ کر بیٹھ جاتی تھیں اور جب وہ یہ کہتیں:

”تقدیر ان کو ٹھوکریں کھلواتی ہے جو تاج وروں کے ٹھوکریں مارتے تھے۔ قسمت نے ان کو بے بس کردیا جو بے کسوں کے کام آتے تھے۔ ہم چنگیز کی نسل ہیں جس کی تلوار سے زمین کانپتی تھی۔ ہم تیمور کی اولاد ہیں جو ملکوں کا اور شہریاروں کا شاہ تھا۔ ہم شاہ جہاں کے گھر والے ہیں جس نے ایک قبر پر جواہر نگار بہار دکھادی اور دنیا میں بے نظیر مسجد دہلی کے اندر بنادی۔ ہم ہندوستان کے شہنشاہ کے کنبے میں سے ہیں۔ ہم عزت والے تھے زمین میں ہمیں کیوں ٹھکانا نہیں مِلتا، وہ کیوں سر کشی کرتی ہے۔ آج ہم پر مصیبت ہے، آج ہم پر آسمان روتا ہے۔“

ایک دفعہ ایسا ہوا کہ بھادوں کا مہینا آیا اور گاؤں میں سب کو بخار آنے لگا، میری اہلیہ اور بہن کو بھی بخار نے آن دبایا۔ وہ گاؤں، وہاں دواؤں اور حکیم کا کیا ذکر۔ خود لوٹ پیٹ کر اچھے ہوجاتے ہیں مگر ہم کو دواؤں کی عادت تھی، سخت تکلیف اٹھانا پڑی۔ اسی حالت میں ایک دن زور کی بارش ہوئی کہ جنگل کا نالا چڑھ آیا اور گاؤں میں کمر کمر پانی ہوگیا۔ گاؤں والے تو اس کے عادی تھے لیکن ہماری حالت اس طوفان کے سبب مرنے سے بدتر ہوگئی۔ چوں کہ پانی ایک دفعہ ہی رات کے وقت گھس آیا تھا اس لیے ہماری عورتوں کی چارپائیاں بالکل غرقاب ہوگئیں۔ آخر بڑی مشکل سے چھپّر کی بلّیوں میں دو چارپائیاں اڑا کر عورتوں کو ان پر بٹھایا۔ پانی گھنٹے بھر میں اتر گیا مگر غضب یہ ہوا کہ کھانے کا اناج اور اوڑھنے بچھانے کے کپڑے تر کر گیا۔

اب ہم کو کھانے کی فکر ہوئی۔ گاؤں والوں سے بھی مانگتے ہوئے لحاظ آتا تھا۔ وہ بھی ہماری طرح

مصیبت میں گرفتار تھے۔ تاہم بے چارے گاؤں کے چودھری کو خود ہی خیال آیا اور اس نے قطب صاحب سے ایک رُپے کا آٹا منگوادیا۔ وہ آٹا نصف کے قریب خرچ ہوا ہوگا کہ رمضان شریف کا چاند نظر آیا۔ والدہ صاحبہ کا دل بہت نازک تھا، وہ ہر وقت گزشتہ زمانے کو یاد کیا کرتی تھیں۔ رمضان کا چاند دیکھ کر انھوں نے ایک ٹھنڈا سانس بھرا اور چپ ہوگئیں۔ میں سمجھ گیا کہ ان کو پچھلا زمانہ یاد آرہاہے۔تسلّی کی باتیں کرنے لگا جس سے ان کو کچھ ڈھارَس ہوئی۔ چار پانچ دن تو آرام سے گزر گئے، مگر جب آٹا ختم ہوچکا تو بڑی مشکل در پیش ہوئی۔ سوال کرتے ہوئے شرم آتی تھی اور پاس ایک کوڑی بھی نہ تھی۔ شام کو پانی سے روزہ کھولا، بھوک کے مارے کلیجا منھ کو آتا تھا۔ والدہ صاحبہ کی عادت تھی کہ اس قسم کی تکلیف کے وقت بیان کرکے رویا کرتی تھیں مگر آج بڑے اطمینان سے خاموش تھیں۔ ان کی خاموشی و اطمینان سے میرے دل کو بھی سہارا ہوا اور چھوٹی بہن کو جس کے چہرے پر بھوک کے مارے ہوائیاں اڑ رہی تھیں، دلاسا دینے لگا۔ وہ معصوم بھی میرے سمجھانے سے نڈھال ہو کر چارپائی پر جاپڑی اور تھوڑی دیر میں سوگئی۔ بھوک میں نیند کہاں آتی ہے بس ایک غوطہ سا تھا۔اس غوطے اور ناتوانی کی حالت میں سَحَری کا وقت آگیا۔ والدہ صاحبہ اٹھیں اور تہجُّد کی نماز کے بعد جن درد ناک الفاظ میں انھوں نے دعا مانگی ان کا نقل کرنا محال ہے۔ حاصلِ مطلب یہ ہے کہ انھوں نے بار گاہِ الٰہی میں عرض کیا کہ

”ہم نے ایسا کیا قصور کیا ہے کہ جس کی یہ سزا مل رہی ہے۔ رمضان کے مہینے میں ہمارے گھر میں سیکڑوں محتاجوں کو کھانا ملتا تھا اور آج ہم خود دانے دانے کو محتاج ہیں اور روزے پر روزہ رکھتے ہیں۔ خداوند! اگر ہم سے قصور ہوا ہے تو اس معصوم بچّی نے کیا خطا کی ہے جس کے مُنھ میں کل سے ایک کھِیل اُڑ کر نہیں گئی“۔

دوسرا دن بھی یوں ہی گزر گیا اور فاقے میں روزے پر روزہ رکھا۔ شام کے وقت چودھری کا آدمی دودھ اور میٹھے چاول لایا اور بولا: ”آج ہمارے نیاز تھی، یہ اس کا کھانا ہے اور پانچ رُپے زکوٰۃ کے ہیں۔ ہر سال بکریوں کی زکوٰۃ میں بکری دیا کرتے تھے مگر اب کے نقد دے دیا ہے“۔

یہ کھانا اور رُپے مجھ کو ایسی نعمت معلوم ہوئی گویا بادشاہت مل گئی۔ خوشی خوشی والدہ کے آگے سارا قصّہ کہا۔ کہتا جاتا تھا اور خدا کا شکرانہ بھیجتا تھا۔ میں نے دیکھا کہ والدہ کا رنگ مُتَغَیَّر ہوگیا۔ باوجود فاقے کی ناتوانی کے انھوں نے تیَور بدل کر کہا: ”تُف ہو تیری غیرت پر، خیرات اور زکوٰۃ لے کر آیا ہےاور خوش ہوتا ہے۔ ارے اس سے مرجانا بہتر تھا۔ اگرچہ ہم مٹ گئے مگر ہماری حرارت نہیں مٹی۔ میدان میں نکل کر مرجانا یا مار ڈالنا اور تلوار کے زور سے روٹی لینا ہمارا کام ہے، صدقہ خوری ہمارا شیوہ نہیں“۔

والدہ کی ان باتوں سے مجھے پسینا آگیا اور شرم کے مارے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے پڑ گئے۔ چاہا کہ اٹھ کر یہ چیزیں واپس کر آؤں مگر والدہ نے روکا اور کہا: ”خدا ہی کو یہ منظور ہے تو ہم کیا کریں سب کچھ

سہنا ہوگا"۔ یہ کہہ کر کھانا رکھ لیا اور روزہ کھولنے کے بعد ہم سب نے مل کر کھالیا۔ پانچ رُپے کا آٹا منگوالیا جس سے رمضان خیر و خوبی سے گُزر گیا۔

اس کے بعد چھے مہینے گاؤں میں رہے اور پھر دہلی چلے آئے۔یہاں آکر والدہ کا انتقال ہوگیا اور بہن کی شادی کردی۔ انگریزی سرکار نے میری بھی پانچ رُپے ماہ وار پنشن مقرر کردی ہے، جس پر آج کل زندگی کا اِنحِصار ہے۔

(ماخوذ از "بیگمات کے آنسو")

مشق

سوال نمبرا : درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

(الف) تنھّن خان کے گانے سے اُکتا کر اماّں حضرت نے کیا حکم صادر فرمایا؟

(ب) مصاحب نے مرزا صاحب کو کیا مشورہ دیا ؟

(ج) "کُلُّ جدیدٌ لَذِیذٌ" سے کیا مراد ہے ؟

(د) رمضان میں افطاری کے وقت مسجد میں کیا سماں تھا ؟

(ہ) مرزا صاحب کو کیا بات اچھی لگی کہ وہ باقاعدہ مسجد آنے لگے؟

(و) غدر کی تباہی کے شاہی خاندان پر اثرات بیان کیجیے۔

سوال نمبر ۲: درج ذیل الفاظ و محاورات کو اپنے جملوں میں استعمال کیجیے:

زنان خانہ	مغموم	عجب بہار ہونا	مکلّف
زیر و زبر ہونا	ماما گیری	دلاسا دینا	مکدّر

سوال نمبر۳: دُرست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

(۱) ہندوستان کا دل کہلاتی تھی:

(الف)بادشاہی (ب)دلی (ج)مسجد (د)رنگینی

(۲) ابو ظفر بہادر شاہ کے بھائی تھے:

(الف)ندیم (ب)مرزا صاحب (ج)مرزا سلیم بہادر (د)مرزا شہ زور

(۳) "لہو و لعب" کا مطلب ہے:

(الف)کھیل کود (ب)فضول خرچ (ج)مزے دار کھانے (د)شان و شوکت

(۴) "رنگ متغیر ہونا" ہے:

(الف)روزمرّہ (ب)محاورہ (ج)ضرب المثل (د)کہاوت

(۵) انگریزی سرکار نے ماہ وار پنشن مقرر کردی:

(الف)چار روپے (ب)پانچ روپے (ج)دس روپے (د)پندرہ روپے

سوال نمبر۴ : درج ذیل اقتباسات کی وضاحت کیجیے:

(الف) "تقدیر ان کو ٹھوکریں کھلواتی ہے جو تاج وروں کے ٹھوکریں مارتے تھے۔ قسمت نے ان کو بے بس کردیا جو بے کسوں کے کام آتے تھے۔"

(ب) "اگرچہ ہم مٹ گئے مگر ہماری حرارت نہیں مٹی۔ میدان میں نکل کر مرجانا یا مار ڈالنا اور تلوار کے زور سے روٹی لینا ہمارا کام ہے صدقہ خوری ہمارا شیوہ نہیں۔"

سوال نمبر۵ : سبق کے کوئی پانچ محاورے اپنے جملوں میں استعمال کیجیے۔

سرگرمیاں

- طلبہ اس سبق کے محاوروں اور روز مرّوں کو الگ الگ کرکے ڈائری میں لکھیں گے۔
- طلبہ اس سبق کی خاص خاص باتیں پڑھ کر اپنی اپنی ڈائری میں تحریر کریں گے۔
- طلبہ اِس طرح کی کوئی کہانی وضع کرکے اپنے اپنے انداز میں لکھیں گے اور کسی اخبار یا رسالے کے مدیر کو اشاعت کے لیے بھجوائیں گے۔

برائے اساتذہ

- طلبہ کو "روز مرّہ" اور "محاورہ" کا فرق سمجھائیے۔
- پہلے طلبہ کو عبارت فہمی کا موقع دیجیے۔ اس کے بعد تقریری طریقہ اختیار کرتے ہوئے مؤثر بازرسی فراہم کیجیے۔